خاتمہ

مرزا غالب مرحوم کی لائف اور اُنکے کلام کا انتخاب جس قدر کہ یہاں اُسکا دکھانا مقصود تھا۔ ختم ہوگیا ؛ مگر ابھی چند ضروری باتیں لکھنی باقی ہیں۔

ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ کتاب اُن تصنیفات میں شمار نہیں ہوسکتی جنکی آجکل ملک میں ضرورت سمجھی جاتی ہے ؛ اور جو اہلِ وطن کی موسمی بیماریوں کے لئے براہِ راست دوا اور علاج کا کام دے سکتی ہیں۔ کیونکہ اِس مضمون کے لکھنے پر ہمکو اُس اندھی اور بہری دیوی نے مجبور کیا ہے جسکی زبردستی اور حکومت کے آگے مصلحت اندیشی کے پر جلتے ہیں۔

مستانہ سخن میرسد از دل بہ لبِ ما ‫ ‬ عشق ست کہ بربستہ زبانِ ادبِ ما

راقم کو مرزا کے کلام کے ساتھ جو تعلق بدوِ شعور سے آج تک برابر چلا جاتا ہے اُسکو چاہو اُس معتقدانہ جوشِ عصبیت کا نتیجہ سمجھو جو انسان کو اندھا اور بہرا کردیتا ہے، اور چاہو اُس یقین کا ثمرہ خیال کرو جو نہایت زبردست شہادتوں سے حاصل ہوتا ہے ؛ بہرتقدیر یہی وہ چیز تھی جسنے ہمکو اِس کتاب کے لکھنے پر آمادہ کیا۔ پس نہ ہمکو یہ دعویٰ ہے کہ ہمنے اِس تالیف سے پبلک کی کسی بڑی ضرورت کو رفع کیا ہے ؛ اور نہ یہ خیال ہے کہ محض ملک کی خیرخواہی اُسکے لکھنے کا باعث ہوئی ہے۔ لیکن یہ ضرور نہیں کہ جو کام محض

طبیعت کے اقتضا سے نہ کہ عقل کی صوابدید سے سرانجام کیا جائے اُس سے لوگوں کو بواسطہ یا بلاواسطہ کسی طرح کچھ فائدہ نہ پہونچے ؛ ہوا جو اپنی موج میں چلتی ہے، اور دریا جو اپنے جوش میں بہتا ہے۔ گو اُنکو خود خبر نہیں کہ ہم کہاں جارہے ہیں اور کیوں جارہے ہیں۔ لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ اُنکی سعی محض بے حاصل اور اُنکی کوشش سراسر بے سود ہے۔ اِسی طرح کوئی ذرہ ذراتِ عالم میں ایسا نہیں جو اپنی اضطراری حرکت سے نظامِ کلّی میں کچھ نہ کچھ دخل نہ رکھتا ہو۔

"اے توکہ ہیچ ذرّہ را جز براہِ تو روی نیست ‫ ‬ در طلبت تواں گرفت بادیہ را بہ رہبری"

یادگارِ غالب کو ہمنے دو حصوں پر منقسم کیا ہے۔ پہلے حصّے میں مرزا کی لائف یعنی اُنکی زندگی کے حالات اور اُنکے اخلاق و عادات کا بیان ہے اور دوسرے حصّے میں اُنکے کلام کا انتخاب ہے۔ اگرچہ مرزا کی لائف میں۔ جیسا کہ ہم بار بار لکھ چکے ہیں۔ کوئی مہتم بالشان واقعہ اُنکی شاعری و انشاپردازی کے سوا نہیں پایا جاتا ؛ باانیہمہ اُسمیں بہت سی مفید نصیحتیں بھی اہلِ وطن کے لئے موجود ہیں۔

ناظرین کو یاد ہوگا کہ مرزا پانچ برس کے تھے جب باپ کا، اور نو برس کے تھے جب چچا کا انتقال ہوا۔ اُنکی ننھیال۔ جہاں اُنھوں نے پرورش اور نشو و نما پائی آسودہ حال تھی۔ باپ اور چچا کے صغیرسِن چھوڑ جانے سے نانا اور نانی کی الفت اُور بھی زیادہ بڑھگئی ہوگی۔ خود مرزا کی طبیعت میں گرمی اور جودت کی ایک آگ بھری ہوئی تھی جسکے بھڑکانے کے لئے تھوڑی سی اشتعالک کافی تھی۔ باپ اور چچا کا

سایۂ تربیت بچپن میں سر سے اُٹھ جانا، ننھیال کی مرفہ الحالی، نانا نانی کی نازبرداریاں اور خود مرزا کا ذکی الحس ہونا؛ یہ تمام اسباب ایسے تھے کہ عُنفوانِ شباب میں اُنکا جادۂ مستقیم سے تجاوز نہ کرنا نہایت دشوار تھا۔ مرزا کی ابتدا اگڑی اور ایسی بگڑی کہ جب تک ننھیال کی تمام املاک اور دیہات کی صفائی نہولی نشّے ہرن نہوئے۔ اگرچہ مرزا بہت دیر میں سنبھلے مگر وہ جو مشہور ہے کہ "صبح کا بھولا شام کو آجائے تو بھولا نہ جانو" اُنھوں نے اپنے فضل و کمال، حُسنِ معاشرت، شریفانہ خصائل، اور کریمانہ اخلاق سے- جو کہ اُنکے ذاتی جوہر تھے- وہ عارضی دھبّے اِس طرح دھو ڈالے کہ گویا کبھی اُن سے دامن آلودہ نہوا تھا جس فن پر اُنھوں نے لڑکپن میں ہاتھ ڈالا تھا اُسکو اخیر عمر تک نبھا دیا؛ غفلت اور بدمستی کے عالم میں بھی اُسکا خیال نہ چھوڑا؛ اور باوجودیکہ زمانہ قدردانوں سے خالی تھا اُسکو اُس درجے تک پہنچا کر چھوڑا جو اُسکا منتہاے کمال تھا۔

اگرچہ معاش کی طرف سے وہ کبھی زیادہ تنگ نہیں ہوئے مگر حوصلہ اور ہمت کے موافق کبھی استطاعت نصیب نہیں ہوئی؛ بلکہ جن اَللّے تللّوں میں بچپن اور جوانی گذری تھی اُسکے لحاظ سے یہ کہنا چاہئے کہ وہ اخیر دم تک خورِ بعد الکور میں مبتلا رہے۔ اِسکے سوا امراضِ جسمانی سے کبھی فرصت نہیں ملی اور اپنے ہنر کی کسادبازاری کا رنج ہمیشہ سوہانِ روح رہا۔ باوجود اِسکے زندہ دلی اور شگفتہ طبعی مرتے دم تک اُنکی رفیقِ حال رہی۔ اگرچہ نظم و نثر میں جو زارنالیاں اُنھوں نے کی ہیں وہ بظاہر بے صبری اور تنگ حوصلگی پر- جو ایک اخلاقی کمزوری ہے- دلالت کرتی ہیں؛ لیکن درحقیقت یہ اُنکی شاعری د

انشا پردازی کے میدانوں میں سے ایک میدان تھا جسکی زمین اُنکے پانوکو لگ گئی تھی۔ اول تو خود یہ مضمون ہی ایشیائی شاعری کا جزوِ اعظم ہے؛ دوسرے ہر شاعر ایک خاص راگنی کا کلاونت ہوتا ہے۔ چنانچہ عرب کے شعرا میں **امرؤ القیس** گھوڑے اور عورت کی تعریف اور عیش کے بیان میں مشہور تھا، اعشےٰ حسنِ طلب اور وصفِ شراب میں ضرب المثل تھا اور اِسی طرح ہر شاعر کی شہرت کسی خاص بیان کے ساتھ مخصوص تھی۔ علیٰ ہذا القیاس ایران میں **فردوسی** رزم کا دھنی تھا، **نظامی** بزم کا، اور **سعدی** موعظت کا۔ چونکہ مرزا خاصکر رنج و مصیبت کے بیان میں یدِطولےٰ رکھتے تھے اِس لئے یہ مضمون اکثر اُن کے قلم سے تراوش کرتا تھا۔

اگرچہ مرزا اپنی شاعری کا سکّہ- اِس وجہ سے کہ زمانہ اُسکا اندازہ کرنے سے عاجز تھا- پبلک کے دلوں پر جیسا کہ چاہئے تھا نہیں بٹھا سکے؛ مگر وسعتِ اخلاق حُسنِ معاشرت اور صلحِ کل سے اُنھوں نے ایک عالم کو مسخر کر لیا تھا۔ قطع نظر شاگردوں اور مستفیدوں کے دوستوں اور ہوا خواہوں کی تعداد بھی سیکڑوں سے گذر کر ہزاروں تک پہونچ گئی تھی؛ اور ہر ایک کے ساتھ اُنکے برتاؤ کا طریقہ ایسا مہرانگیز تھا کہ ہر شخص اپنے تئیں اُنکے مخصوص ترین دوستوں میں سے شمار کرتا تھا۔ غریبوں اور محتاجوں کی اپنی دسترس سے بڑھکر خبر لینی، نوکروں اور لگے بندھوں کو عسرت کے وقت اپنے سے علیحدہ نہ کرنا، درماندگی میں دوستوں کی امداد کرنی اور اُنکی مصیبت پر مثل یگانوں کے افسوس اور اُنکے ساتھ ہمدردی کرنا، ہر حال میں پاسِ وضع اور خودداری کو ہاتھ سے

نہ دینا، مذہبی تعصّبات سے پاک ہونا اور ہر مذہب وملت کے دوستوں کے ساتھ یکساں صفائی اور خلوص سے ملنا، یہ اور اِسی قسم کی وہ تمام خوبیاں جو دارالخلافہ کی قدیم سوسائٹی کا زیور سمجھی جاتی تھیں اُنکی ذات میں جمع تھیں۔ خصوصاً وفاداری، حق شناسی اور احسان مندی کی شریف خصلت جو ہندوستان کے قدیم خاندانوں کا شعار تھا مرزا کی سرشت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ چونکہ اُنکے چچا نصراللہ بیگ خاں لارڈ لیک کی مہمات میں شریک رہے تھے اور اُنکی وفات کے بعد گورنمنٹ نے اُنکے پسماندوں کے لئے۔ جنمیں سے ایک مرزا بھی تھے۔ کئی ہزار روپیہ سالانہ بطور پنشن کے مقرر کردیا تھا مرزا نے۔ جیسا کہ اُنکی تحریرات سے ظاہر ہے۔ اخیر عمر تک گورنمنٹ کے اِس احسان کو فراموش نہیں کیا۔ تمام عمر ملکۂ معظمہ اور وایسراؤں اور لفٹنٹ گورنروں اور دیگر حاکموں اور افسروں اور تمام انگلش قوم کی مدح سرائی میں بسر کی، بعض افسروں کی وفات پر دردناک مرثیے لکھے اور ہمیشہ فخر کے ساتھ اپنے تئیں وابستگانِ دامنِ دولتِ انگلشیہ سے سمجھتے رہے۔ غدر کے زمانے میں فوجِ باغی کے ظلم وستم سے جو اثر اُنکے دل پر ہوا تھا وہ اُنکی کتاب دستنبو سے۔ جو غدر کے حالات پر اُسی شورش وفتنہ کے زمانے میں اُنھوں نے لکھی تھی۔ ظاہر ہے۔ ۱۸۵۷ء میں ولیم فریزر صاحب رزیڈنٹ و کمشنر دہلی کے بے گناہ مارے جانے پر جو سخت صدمہ اُنکو پہنچا تھا وہ اُنکے اُس خط سے جو شیخ امام بخش ناسخ کو اِس واقعہ کے ہوتے ہی اُنھوں نے لکھا تھا۔ ظاہر ہے۔ وہ اُس خط میں لکھتے ہیں "دیکھے از ستمگرانِ ناخدا ترس۔ کہ بعذابِ ابدی گرفتار باد۔ ولیم فریزر را

کہ رزیڈنٹ دہلی وغالبِ مغلوب را مُربّی بود۔ در شبِ تاریک بضربِ تفنگ کشت، ومرا غمِ مرگِ پدر تازہ کرد۔ دل از جاے رفت، وستر گ اندوہے سراپاے اندیشہ افزود گرفت خرمنِ آرمیدگی پاک بسوخت، ونقشِ امید از صفحۂ ضمیر سراسر سترده شد"

اگرچہ مرزا کے کلام میں مدحیہ قصائد کی مقدار تمام اصنافِ سخن سے زیادہ معلوم ہوتی ہے اور اُنھوں نے جابجا اِس بات پر افسوس کیا ہے کہ عمر کا بہت بڑا حصہ اہلِ جاہ کی بھینٹ میں صرف ہوا، مگر ادنیٰ تامل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ جو فن مرزا نے اختیار کیا تھا اُسکی تکمیل اُنکے زمانے کے خیالات کے موافق زیادہ تر اِس خاص صنف یعنی قصیدے کی مشق ومہارت پر موقوف تھی؛ کیونکہ فارسی شاعری کی ابتدا اِسی صنف سے ہوئی اور کوئی شاعر جسنے قصیدے میں کمال بہم نہیں پہنچایا وہ مسلّم الثبوت نہیں سمجھا گیا۔ یہاں تک کہ حکیم سنائی، شیخ سعدی، اور امیر خسرو جیسے بزرگوں کا دامن بھی اِس آلودگی سے پاک نہیں رہا۔ خود مرزا کا قول تھا کہ جو قصیدہ نہیں لکھ سکتا اُسکو شعرا میں شمار کرنا نہیں چاہیے اور اِسی بنا پر وہ شیخ ابراہیم ذوق کو پورا شاعر اور شاہ نصیر کو ادھورا جانتے تھے۔ بڑی دلیل اِس بات کی۔ کہ مرزا نے جس قدر قصیدے اہلِ دنیا کی مدح میں انشا کئے ہیں اُن سے محض فن کی تکمیل مقصود تھی۔ یہ ہے کہ اُنکا ممدوح مخاطب صحیح ہو یا نہو، اور اُس سے حسنِ کلام کی داد ملنے کی توقع ہو یا نہو۔ وہ ہمیشہ قصیدوں کے سرانجام کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کرتے تھے اور ہر قصیدے میں اپنا کمالِ شاعری اُسی طرح ظاہر کرتے تھے جیسے متنبی۔ سیف الدولہ کی یا عرفی خانخاناں

کی تعریف میں کرتا تھا۔ مع ذلک چند قصیدوں کے سوا۔ جو دوستوں کی ترغیب و تحریص سے اُنھوں نے کسی امید یا توقع پر ہندوستان کے بعض رئیسوں کی مدح میں لکھے ہیں۔ باقی اُنکے تمام قصائد یا توحید و نعت و منقبت میں ہیں، یا اپنے معزز اور لائق ہمعصروں کی تعریف میں، اور یا اُن لوگوں کی شان میں جنکو وہ اپنا مُربّی اور ولی نعمت سمجھتے تھے اور جنکی مدح سرائی کا فرض بطور شکرگزاری و منعم پرستی نہ بامید صلہ و انعام ادا کرتے تھے، جیسے قلعۂ دہلی کے بادشاہ و ولیعہد، یا ملکۂ معظمہ اور وائسرایان کشورِ ہند اور دیگر اعیان و ارکانِ سلطنتِ انگلشیہ، یا فرمانروایانِ ریاستِ رام پور و الور وغیرہ۔

باایں ہمہ جس مؤثر طریقے سے مرزا نے اہلِ دنیا کی مدح سرائی پر افسوس کیا ہے وہ ملاحظہ کے قابل ہے۔ وہ دیوانِ فارسی کے دیباچے میں اپنی شاعری کے متعلق بہت سے فخریہ فقرے لکھنے کے بعد لکھتے ہیں "دریغا کہ بالِ بالا خوانی زدہ، و درادائے کہ خود را بہ شگرفی ستودہ ام (یعنی جس دیوان پر میں نے اس قدر فخر کیا ہے) نیمۂ ازاں شاہد بازی ست یعنی ہوا پرستی (اس سے مراد غزل سرائی ہے) و نیمۂ دیگر تونگرستائی ست۔ یعنی بادخوانی (اس سے مراد قصیدہ گوئی ہے) بیداد بیں! کہ ہر جا بہ شانہ۔ خمے از زلفِ مرغولہ مویاں کشودہ شود بلا در من آویزد تا دل بہ پیچاک آں شکن بندمے، و خواری نگر! کہ ہرگاہ از خود غافل و از خدا فارغے بر اورنگِ سروری کج نشیند ہوس مرا برانگیزد تا بہ ستائش بندہ وار راست استمے۔ شادم از آزادی کہ بیاسخن بہ ہنجار

عشقبازاں گزاردستم، و داغم از آزمندی کہ ورقے چند بکردارِ دنیا طلباں در مدحِ اہلِ جاہ سیاہ کردستم۔ دریغا کہ عمرِ سبک سیر لختے بہ چامہ و چنگ سر آمد، و پارۂ بہ دروغ و دریغ رفت"

یہاں تک جو کچھ کہ مرزا کی لائف کے متعلق ہمکو لکھنا تھا لکھا گیا۔ اب ہم چند سطریں اُنکے کلام کے انتخاب کی نسبت لکھنی چاہتے ہیں۔

ہمنے اس کتاب میں۔ جیسا کہ مکرر بیان ہو چکا ہے۔ مرزا کے کلام کا انتخاب صرف اس غرض سے درج کیا ہے کہ شاعری و انشا پردازی کی غیرمعمولی استعداد جو مرزا کی فطرت میں رکھی گئی تھی۔ جہاں تک کہ اُنکی نظم و نثر اُس پر شہادت دے سکتی ہے۔ صاحبانِ ذوقِ سلیم پر واضح و لائح ہو جائے۔ اگرچہ فی الحقیقۃ طریقۂ مذکور سے اس غرض کا پورا ہونا نہایت دشوار ہے لیکن اگر بالفرض اُسکا پورا ہونا تسلیم کر لیا جائے تو بھی بظاہر اُس سے کوئی فائدہ متصور نہیں۔

زمانۂ حال کی ترقیات نے جس طرح علمی دنیا میں انقلابِ عظیم پیدا کر دیا ہے اسیطرح لٹریچر کی حالت بہت کچھ بدل ڈالی ہے۔ قدیم طریقے کی شاعری (اگرچہ ابھی تک اُسکا نعم البدل پیدا نہیں ہوا) روز بروز نظروں سے گرتی جاتی ہے۔ نظم و نثر میں بجائے صنعتِ الفاظ اور محض خیالی باتوں کے سادگی اور حقیقت طرازی کی طرف طبیعتوں کا میلان زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ جو باتیں پہلے محاسنِ کلام میں داخل تھیں اب اُنمیں سے اکثر داخلِ عیوب سمجھی جاتی ہیں۔ اگرچہ ہندوستان میں قدیم لٹریچر کا تسلط ابھی بہت کچھ باقی ہے اور پبلک کا مذاق عام طور پر نہیں بدلا مگر زمانے کا رُخ قدیم شاہراہ سے

یقیناً پھر گیا ہے؛ اور آیندہ تمام قافلوں کو جو اِس وادی میں قدم رکھنے والے ہیں
زمانے کے ساتھ ساتھ چلنا ضرور ہے۔ پس اگر مرزا کو اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کا شاعر
فرض کر لیا جائے تو بھی اِس زمانے میں اُنکی نظم و نثر کے نمونے پبلک کے سامنے
پیش کرنے اور اُنکے مبلغ کمال کو لوگوں سے روشناس کرانا بظاہر ایک ایسا کام معلوم
ہوتا ہے جسکا وقت گذر گیا۔ لیکن ہمارے نزدیک زمانہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر جائے
اُسکو قدیم نمونوں سے کبھی استغنا حاصل نہیں ہو سکتا؛ خصوصاً ہندوستان کی
لٹریری ترقی جس قدر مشرقی زبانوں کے قدیم لٹریچر سے وابستہ ہے اُس یورپ کے
موجودہ لٹریچر سے نہیں ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ یورپ کے بعض نامور شعرا مشرقی
شاعروں کے کلام سے ابتک استفادہ حاصل کرتے اور اُس سے صدہا اسلوب
بیان اخذ کرتے ہیں تو ہمارے ہموطن کیونکر اُس سے استغنا کا دعوے کر سکتے ہیں۔
جس طرح زمانۂ حال کے انجنیر قدیم عمارتوں اور پرانے کھنڈروں سے انجنیرنگ کے
متعلق صدہا مفید نتیجے استخراج کرتے ہیں اسی طرح اِس زمانے کے ناظم اور ناثر قدیم
لٹریچر سے بہت کچھ لٹریری فائدے حاصل کر سکتے ہیں۔ ہمنے مانا کہ انگلش لٹریچر کی
ترقی منتہاے کمال کو پہنچ گئی ہے اور ہمارے لٹریچر نے اُسی کی بدولت کچھ عرصے
سے آگے قدم بڑھانا شروع کیا ہے مگر جب تک لوگ یہ نہ سمجھیں گے کہ ہمکو انگلش لٹریچر
کون سی باتیں اخذ کرنی چاہئیں اور اپنے قدیم مشرقی لٹریچر سے کیا سبق لینا چاہئے
اُسوقت تک ہمارا لٹریچر اصلی ترقی سے محروم رہیگا۔

مرزا کے فارسی کلام کا نمونہ جو ہمنے اِس کتاب میں دکھایا ہے اگرچہ ممکن ہے
کہ وہ زمانۂ حال کے مذاق کے موافق نہو لیکن اِس سے مرزا کے کمالِ شاعری میں
کچھ فرق نہیں آتا۔ خود ایران کے بڑے بڑے نامور شعرا۔ جو اپنے زمانے میں مسلّم الثبوت
تھے۔ آج اہلِ زبان اُنکی طرزِ شاعری کو نام رکھتے ہیں؛ خصوصاً متوسطین کے طبقے
میں جو لوگ جامی کے بعد ہوئے ہیں اور جنمیں تقریباً وہ تمام شعرا داخل ہیں جنھوں نے
صفویہ اور مغلیہ کے عہدِ حکومت میں ایران یا ہندوستان میں عَلَمِ امتیاز بلند کیا تھا اُنکی
شاعری کو۔ جیساکہ رضا قلی خانِ ہدایت نے اپنے تذکرۂ مجمع الفصحا میں تصریح
کے ساتھ لکھا ہے۔ آج اہلِ زبان میں کوئی تسلیم نہیں کرتا۔ سب قدما کی روش کو
پسند کرتے ہیں اور اُنھیں کے تتبع کا دم بھرتے ہیں۔ حالانکہ متوسطین کے طبقے میں بڑے
بڑے نامور شعرا گذرے ہیں جنکے کمال اور اُستادی کا انکار نہیں ہو سکتا۔ پس درحقیقت
کیسکی شاعری یا انشا پردازی کا پبلک کے موجودہ مذاق کے خلاف ہونا اِسکے سوا کچھ
معنی نہیں رکھتا کہ جو شے پہلے ایک خاص وضع کے سانچے میں ڈھالی گئی تھی وہ اب
دوسری وضع کے سانچے میں نہیں سما سکتی۔

اگرچہ مرزا کی شاعری نے شعراے متوسطین کے محدود دائرے سے قدم باہر نہیں
رکھا؛ وہی چند میدان جن میں اُنھوں نے گھوڑے دوڑائے تھے ہمیشہ مرزا کی جولانگاہ
رہے؛ لیکن جس درجے کا ملکۂ شاعری اُنکی طبیعت میں پیدا کیا گیا تھا اُس سے
پایا جاتا ہے کہ جس طرح دریاے متواج جدھر رُخ کرتا ہے اُدھر اپنا رستہ برابر بناتا چلا جاتا ہے

اِسی طرح وہ جس میدان میں قدم رکھتے اُسکو کامیابی کے ساتھ طے کر جاتے۔ وہی بارود جو آتشبازی میں بچّوں کا جی لُبھاتی ہے جب اُسکو دوسری طرح کام میں لایا جاتا ہے تو بڑے بڑے قلعوں اور پہاڑوں کو پرکاہ کی طرح اُڑا دیتی ہے۔ اور وہی ایک چیز تھی جسنے کہیں صرف احباب کے جلسوں اور امیروں کے درباروں کو گرم کیا اور کہیں ملکوں اور قوموں میں حُبِ وطن اور قومی ہمدردی کی آگ لگا دی۔

اعلیٰ درجے کا ملکہ شاعری کسی خاص زمانہ یا خاص ملک کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتا؛ پس یہ سمجھنا بالکل غلط ہے کہ شاعری کی اعلیٰ قابلیت جیسی قدما میں ہوتی تھی ویسی متاخرین میں نہیں ہو سکتی؛ یا جیسی ایران کے شعرا میں ہوتی ہے ویسی ہندوستان کے شعرا میں نہیں ہوتی۔ ملکہ شاعری کی مثال بعینہ ایسی ہے جیسی مصوری کی قابلیت یا سُریلی آواز؛ جس طرح اِن دونو صفتوں کا ہر زمانے اور ہر ملک میں اعلےٰ سے اعلےٰ درجے پر پایا جانا ممکن ہے اسی طرح اعلےٰ سے اعلیٰ درجے کا ملکہ شاعری ہر زمانے اور ہر ملک میں مختلف اسباب سے مختلف صورتوں اور مختلف شانوں میں ظہور کرتا ہے؛ اور سب سے بڑا اور زبردست حاکم جو شاعر کو ایک خاص رنگ پر ڈال دیتا ہے وہ سوسایٹی کا دباؤ اور اُسکا مذاق ہے۔ انیس اِسی ملکہ شاعری کے ساتھ جو اُسکی طبیعت میں پیدا کیا گیا تھا اگر چوتھی صدی ہجری میں ایران میں پیدا ہوتا، اور اُسی سوسائٹی میں نشو و نما پاتا جسمیں فردوسی نے نشو و نما پائی تھی تو ہمارے نزدیک اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ رزمیہ نظم میں وہی رتبہ پاتا جو فردوسی

نے پایا تھا؛ اور فردوسی اُسی اعلیٰ قابلیت کے ساتھ جو قدرت نے اُسکے دماغ میں ودیعت کی تھی۔ اگر ہندوستان کی اُس سوسائٹی کے سائے میں پلتا جو انیس کو میسر آئی تھی تو یقیناً وہ شاعری میں وہی صنف اختیار کرتا جو انیس نے اختیار کی تھی اور اُس میں انیس سے کچھ زیادہ قبولیت حاصل نہ کرتا۔ اِسی بنا پر ایران کا ایک متاخر شاعر کہتا ہے۔

نیست اندر زمانہ محمودے — ورنہ ہر گوشہ صد چو عنصریست

اور اِسی اصول پر غالبِ مرحوم کہتے ہیں۔

تو اے کہ محوِ سخن گسترانِ پیشینی — مباش منکرِ غالب کہ در زمانۂ تست

مرزا نے جس وقت شعرِ فارسی کے میدان میں قدم رکھا تھا اُس وقت ہندوستان میں دو طرزوں کا زیادہ رواج تھا؛ ایک نظیری و عرفی وغیرہ کی طرز جو اکبر کے زمانے سے چلی آتی تھی؛ دوسری مرزا بیدل کی طرز جو عالمگیر کے عہد میں شایع ہوئی اور علوی و صہبائی پر آکر ختم ہو گئی۔ جو لوگ شعرِ فارسی میں کمال بہم پہنچانا چاہتے تھے وہ انھیں دونوں میں سے کوئی طرز اختیار کرتے تھے۔ اگرچہ حافظ اور خسرو کی غزل اُن سے بہت زیادہ مقبول خاص و عام تھی مگر اُن وجوہات سے جو متاخرین کو طرزِ جدید اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہیں اور جن کا ذکر ہم دوسرے حصّے میں کر چکے ہیں۔ مرزا نے اوّل بیدل کی روش پر چلنا شروع کیا؛ پھر اِس نظر سے۔ کہ اہلِ زبان اس طرز کو ٹکسال باہر خیال کرتے تھے۔ نظیری و عرفی کی

طرز اختیار کی۔ ظاہر ہے کہ ایک ہندی نژاد شاعر۔ جو ایسے ناپرساں زمانے میں پیدا ہوا ہو اور جس نے فارسی شاعری میں نظیری و عرفی وغیرہ کے کلام سے بہتر کوئی ممکن التقلید نمونہ نہ دیکھا ہو۔ وہ سوا اسکے کہ اُن کا اتباع اختیار کرے اور کیا کر سکتا تھا۔ رہی یہ بات کہ اُسنے اِس طرزِ شاعری میں کس قدر کامیابی حاصل کی ہے اور اُن لوگوں کی پیروی کا کہاں تک حق ادا کیا ہے۔ سو اُسکو اِس طرح ثابت کرنا تو ناممکن ہے جیسے دُو اور دُو چار؛ البتہ جو لوگ شعرِ فارسی کا صحیح مذاق رکھتے ہیں وہ اکبری دورہ کے شعرا اور مرزا کے کلام کا مقابلہ کرنے کے بعد امید ہے کہ مرزا کی اعلیٰ درجے کی قابلیت و استعداد کا اعتراف کرینگے اور اِس بات کو تسلیم کرینگے کہ زمانے کا اقتضا اور سوہائٹی کا دباؤ اِس شخص کو جس روش پر ڈال دیتا وہ ضرور اُسمیں کامیاب ہوتا۔ چنانچہ اخیر عمر میں جب حبیب قاآنی کے قصائد مرزا کی نظر سے گذرے تو اُسکے کلام کی روانی اور بیساختہ پن دیکھکر اُنکو قاآنی کی روش پر چلنے کا خیال پیدا ہوا تھا؛ اور اِسی لئے اُنکے سب سے پچھلے قصیدوں اور قطعوں میں بہ نسبت پہلے قصائد اور قطعات کے زیادہ روانی اور بیساختگی پائی جاتی ہے۔ لیکن چونکہ اب دوسری چال چلنے کا وقت نہیں رہا تھا اِس لئے اِس روش کی تکمیل ہونی ناممکن تھی۔

اِس کتاب میں۔ جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہے۔ مرزا کو شاعری کے لحاظ سے جا بجا نظیری و عرفی وغیرہم کا۔ جنکو خود مرزا اپنا پیش رو تسلیم کرتے ہیں۔ ہم پلہ قرار دیا گیا ہے سو قطع نظر اسکے کہ کوئی قطعی دلیل اِس دعوے پر قائم نہیں ہو سکتی، اور ناظرین کے

ذوق و وجدان کے سوا کوئی چیز اِسکا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ یہاں دُو اور سوال پیدا ہوتے ہیں؛ اول یہ کہ ایک زباندان آدمی شاعری میں اہلِ زبان کے برابر ہو بھی سکتا ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ ایک پیرو اپنے پیشروؤں کے ساتھ مساوات کا درجہ حاصل کر سکتا ہے یا نہیں؟ سو دوسرے سوال کا جواب تو بالکل صاف ہے۔ دنیا میں ابتدا سے آج تک نہ صرف شعر و شاعری میں بلکہ ہر علم اور ہر فن اور ہر پیشہ میں اکثر پیرو اپنے پیش روؤں کے صرف برابر ہی نہیں بلکہ اُن سے فائق اور افضل ہوتے رہے ہیں۔ فردوسی رزمیہ مثنوی میں اسدی اور دقیقی کا پیرو ہے؛ مگر دونو سے گوے سبقت لے گیا ہے۔ خواجہ حافظ غزل میں سعدی کے قدم بقدم چلے ہیں مگر سعدی سے بہت آگے نکل گئے ہیں۔ قاآنی قصیدے میں تمام قدما سے بڑھ گیا ہے۔ میر تقی نے تمام اگلے ریختہ گویوں کو۔ جو یقیناً اُسکے پیش رو تھے غزل میں اپنے سے بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ میر انیس تمام مرثیہ گویوں سے۔ جو اُن سے پہلے ہوئے۔ بازی لے گئے ہیں۔ پس اگر مرزا غالب کو فارسی شاعری میں نظیری و عرفی سے افضل نہیں بلکہ صرف اُن کا ہم پلہ قرار دیا جائے تو اِس میں کون سی تعجب کی بات ہے۔

رہا پہلا سوال سو ظاہر ہے کہ شاعری کا ہنر دو مختلف لیاقتوں سے مرکب ہے؛ ایک امیجینیشن یعنی قوتِ متخیلہ کی بلند پروازی، دوسرے مناسب الفاظ کے استعمال پر قدرت۔ انمیں سے پہلی لیاقت۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ ممکن ہے کہ ایک زباندان

بہ نسبت اہلِ زبان کے، ایک کم علم بہ نسبت فاضل متبحر کے، اور ایک دیہاتی گنوار بہ نسبت خواص اہل شہر کے بمراتب افضل اور اعلیٰ درجے کی رکھتا ہو۔ دوسری لیاقت اگرچہ بظاہر اہلِ زبان کے ساتھ مخصوص معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اُسمیں بھی مثلاً ایک ہندی نژاد اکتساب کے ذریعے سے خاصکر اُس حصۂ زبان میں جو فارسی کی محدود شاعری میں مستعمل ہے اہلِ ایران کی برابری کرسکتا ہے۔ علامہ ابن خلدون عربی زبان کی نسبت۔ جو بمقابلہ فارسی کے نہایت وسیع زبان ہے۔ لکھتے ہیں کہ "ایک عجمی (یعنی غیر عربی) فصحاے عرب کے کلام کی ممارست سے اہلِ زبان میں شمار ہوسکتا ہے" پس فارسی زبان جو بہ نسبت عربی کے نہایت تنگ اور مختصر زبان ہے اس بات کے زیادہ قابل ہے کہ ایک ہندی نژاد فصحاے ایران کے کلام کی مزاولت سے اہلِ زبان میں شمار کیا جائے۔

مذکورہ بالا اصول کے موافق کچھ شک نہیں کہ ہم اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ مرزا کو ملکہ شاعری کے لحاظ سے اکبری دورے کے تمام شاعروں پر ترجیح دیں یا اُن سے کم سمجھیں یا اُنکے برابر قرار دیں۔ رہی دوسری لیاقت سو اُسکی نسبت پہلے حصے میں جابجا ذکر کیا گیا ہے کہ مرزا نے ایک نہایت مستند صاحب زبان کی تعلیم و تلقین اور اپنے ذاتی تفحص اور کثرتِ مطالعہ اور غوّاصیِ فکر اور مشقِ سخن اور خاصکر اپنی خداداد لٹریری قابلیت سے یقیناً وہ مرتبہ حاصل کرلیا تھا جس سے ایک زبانداں مثل اہلِ زبان کے مستند سمجھا جاسکتا ہے۔ لارڈ میکالے نے اس باب میں جو کچھ لکھا ہے اُس سے پایا جاتا ہے کہ کوئی شخص غیر مادری زبان

میں اعلیٰ درجے کا شاعر نہیں ہوسکتا۔ بے شک اُنکا ایسا سمجھنا یوروپ کی شاعری کے لحاظ سے بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ یوروپ کی شاعری درحقیقت نیچر کی ترجمانی ہے۔ اُسکا میدان اُسی قدر وسیع ہے جس قدر نیچر کی فضا۔ اُسکے فرائض مادری زبان کے سوا دوسری زبان میں جیسے کہ چاہئیں۔ ادا نہیں ہوسکتے؛ بلکہ ایشیائی شاعر جو اس طریقۂ شاعری سے نابلد ہیں وہ اپنی مادری زبان میں بھی اُسکی مشکلات سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتے۔ بخلاف ایشیائی شاعری اور خاصکر متاخرین کی فارسی شاعری کے کہ یہاں انھیں معمولی خیالات کو جو قدماء سیدھے سادے طور پر بیان کرگئے ہیں نئے نئے اسلوبوں اور نئی نئی نزاکتوں کے ساتھ باندھنا ہی کمالِ شاعری سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ بھی فی نفسہ ایک بہت بڑا کمال ہے لیکن ایسی شاعری میں زبان کا صرف ایک محدود حصہ مستعمل ہوتا ہے جسکو غیر زبان والا آسانی سے سیکھ سکتا ہے اور بشرطیکہ اُسمیں شاعری کی اعلیٰ قابلیت ہو اُسکو شعراے اہلِ زبان کی طرح بلکہ بعض صورتوں میں اُن سے بہتر استعمال کرسکتا ہے۔

مرزا کا موازنہ نظیری و عرفی کے ساتھ صرف قصیدے اور غزل میں ہوسکتا ہے، کیونکہ مثنوی میں نظیری محض صفر ہے؛ اُسنے اس صنف کو چھوا تک نہیں۔ عرفی نے بیشک چند مثنویاں لکھی ہیں؛ مگر صاحبِ آتشکدہ نے اُن میں سے صرف ایک کی نسبت لکھا ہے کہ "دربندگفتہ است"، اور باقی کی نسبت اُسکا یہ قول ہے کہ "دبسیار بدگفتہ"، حکیم ہمام کا بیٹا حکیم حاذق عرفی کی مثنوی کی نسبت کہتا ہے۔

مثنویش طرزِ فصاحت نداشت   کانِ نمک بود و ملاحت نداشت

البتہ ظہوری کے ساقی نامہ نے ہندوستان میں بہت شہرت حاصل کی ہے مگر اُسکا قصیدہ چنداں وزن نہیں رکھتا۔ بخلاف مرزا کے کہ اُسکو مثنوی پر بھی تقریباً اُسی قدر قدرت ہے جیسی قصیدے اور غزل پر۔ نثر میں نظیری و عرفی دونوں نے کوئی یادگار نہیں چھوڑی۔ البتہ ظہوری کی سہ نثر کو ہندوستان میں بہت فروغ ہوا ہے؛ مگر اُس میں اول سے آخر تک ایک بے مزہ کہانی یعنی ابراہیم عادل شاہ کی مدح و ستایش کے سوا دوسرے مضمون کا نام نہیں جس سے لکھنے والے کی قدرتِ بیان معلوم ہو۔ پس اگر ظہوری کی طرزِ بیان اور طرزِ عبارت آرائی کے حسن و قبح سے قطعِ نظر کی جائے تو بھی اُسکے حق میں اِس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اُسکو مدحیہ نثر لکھنی اچھی آتی تھی۔ بخلاف مرزا کے کہ وہ اپنی طرزِ خاص میں ہر طرح کے مضامین لکھنے اور ہر طرح کے مقاصد ادا کرنے پر یکساں قدرت رکھتا تھا؛ خصوصاً فخر و خودستائی، غم و اندوہ اور شکایت و زار نالی کے مضامین جس خوبی و لطافت اور بانکپن کے ساتھ مرزا نے نثر میں بیان کئے ہیں اُسکی نظیر نہ صرف ہندوستانیوں کی نثر میں بلکہ متاخرین اہلِ ایران کی نثر میں مشکل سے دستیاب ہوگی۔ مگر افسوس ہے کہ ہم یہ باتیں ایسے زمانے میں لکھ رہے ہیں کہ گو ہر شخص آزادی سے اپنی رائے ظاہر کر سکتا ہے۔ لیکن فارسی زبان ہمارے ملک میں بمنزلہ مُردہ زبان کے ہو گئی ہے؛ اور اِس لئے لوگوں سے اپنے دعوے کے ثبوت میں اِسکے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ دیکھو، پڑھو، سمجھو،

اور جانچو۔

الغرض مرزا کی فارسی نظم و نثر کے متعلق ہماری رائے کا ماحصل یہ ہے کہ انکا مرتبہ قصیدہ اور غزل میں عرفی اور نظیری کے لگ بھگ اور ظہوری سے بڑھا ہوا، مثنوی میں ظہوری کے لگ بھگ اور عرفی و نظیری سے بالا، اور نثر میں تینوں سے بالاتر ہے۔ اگرچہ مرزا کی غزل میں کہیں کہیں پیچیدگیاں ہیں؛ اور نثر میں بھی اکثر فقرے نہایت پیچیدہ نظر آتے ہیں جو ممکن ہے کہ اہلِ زبان کے نزدیک فصاحت کے درجے سے گرے ہوئے ہوں، مگر ایسی کسروں سے کسی زباندان یا اہلِ زبان کا کلام پاک نہیں ہو سکتا؛ اور نہ ایسی جزوی فروگذاشتوں سے کسیکی اُستادی میں فرق آ سکتا ہے واللہ درّ القائل۔

گر سخن اعجاز باشد بے بلند و پست نیست   در ید بیضا ہمہ انگشتہا یکدست نیست

مرزا کے اُردو کلام کی نسبت ہم دوسرے حصے میں بقدرِ ضرورت بحث کر چکے ہیں۔ مرزا کا موازنہ شعرائے اُردو زبان کے ساتھ صرف غزل میں ہو سکتا ہے؛ کیونکہ غزل کے سوا دیگر اصناف میں اُنکا کلام کَاَنْ لَمْ یَکُنْ ہے؛ اور اُردو کی نثر میں دیگر شعرا بمقابلہ مرزا کے صفرِ محض ہیں۔ مرزا کی غزل کا ڈھنگ اگرچہ میر و سودا کی روش پر نہیں ہے؛ مگر خواصِ اہلِ ملک جو تقلید کی قید سے آزاد ہیں۔ اُنکے چیدہ و برگزیدہ اشعار کو میر و سودا کے انتخاب سے کچھ کم پسند نہیں کرتے۔

مرزا کی نثر اُردو نے تمام ہندوستان میں شہرت حاصل کی ہے اور خاص و عام

نے بالاتفاق اُسکو پسند کیا ہے ۔ اُنھوں نے اُردو خط کتابت میں ایک خاص طرز ایجاد کی ہے جو تمام مُلک میں مقبول ہوئی ہے اور اکثر لوگوں نے اپنی بساط کے موافق اُسکی پیروی کی ہے ۔

اِن تمام باتوں پر نظر کرنے کے بعد مرزا کی نسبت یہ کہنا کچھ مبالغہ نہیں معلوم ہوتا کہ لٹریری قابلیت کے لحاظ سے مرزا جیسا جامعِ حیثیات آدمی - امیر خسرو اور فیضی کے بعد آج تک ہندوستان کی خاک سے نہیں اُٹھا ؛ اور چونکہ زمانے کا رُخ بدلا ہوا ہے اِس لئے آیندہ بھی یہ امید نہیں ہے کہ قدیم طرز کی شاعری و انشاپردازی میں ایسے باکمال لوگ اِس سرزمیں پر پیدا ہوں گے ۔